# نبی کا انکار خدا کا ہی انکار ہے

(فرمودہ ۱۰ - اپریل ۱۹۱۴ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کی تلاوت کی:-

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ- هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ [1]-

اور پھر فرمایا:-

پیچھے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے مخالفین پر حجت قائم کی ہے اور بتلایا ہے کہ کیوں نبی کے آنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کے بغیر نجات نہیں مل سکتی- پھر کلام الٰہی کے مخالفین کی نسبت بتلایا ہے کہ وہ دکھ کے عذاب میں ڈالے جائیں گے اور تم دیکھ لوگے کہ وہ کس طرح تباہ و برباد ہوتے ہیں اور کلام الٰہی کو ماننے والے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کریں گے اور وہ مظفر و منصور ہوں گے اور وہ فتوحات حاصل کریں گے- پھر ایک بات ہوتی ہے جو صرف عقل ہی عقل ہوتی ہے اور ایک واقعہ ہوتا ہے پھر فرمایا کہ یہ بات صرف عقلاً ہی نہیں بلکہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے- پھر بتلایا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں- فرمایا کہ جب کوئی نشان آتا ہے تو مومن فوراً سمجھ جاتے ہیں اور مان لیتے ہیں لیکن شریر اور بدبخت انسان ہمیشہ اعتراض ہی کرتے رہ جاتے ہیں-

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ اب یہاں ایک اور بات بتلائی کہ ایسا اس زمانے میں

نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ ہمیش سے ایسا ہوتا آیا ہے- اور یہ سنت اللہ ہے کہ اس نے پہلے جب تم مُردہ تھے تو اس نے تم کو کھڑا کیا- پھر جب تم میں قابلیت نہ رہے گی تو تم کو مار دے گا اور تمہاری بجائے اور لوگوں کو کھڑا کردے گا- اسی طرح پر ان کو مار کر اور دوسروں کو ان کی جگہ کھڑا کردے گا- پچھلی آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بالکل منکر نہ تھے بلکہ وہ بجائے ایک الٰہ کے کئی ایک معبودوں کو مانتے تھے- اور ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی کسی صفت کا جھٹلانا گویا اللہ تعالیٰ کا جھٹلانا ہے- ذکر تو اس بات کا تھا کہ نبی کو مان لو ورنہ تم سُکھ نہ پاؤ گے تمہیں دکھ ہوگا لیکن یہاں كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نبی کا انکار خدا کا ہی انکار ہے کیونکہ نبی ہی کے ذریعے خدا کی توحید قائم ہوتی ہے- چنانچہ اس زمانے میں بھی ایک انسان دنیا میں آیا جس نے قرآن کریم کی صداقت ثابت کردی- اگر مسیح موعود علیہ السلام تشریف نہ لاتے تو قرآن کی صداقت ظاہر نہ ہوتی-

حدیث شریف میں آتا ہے - لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ بِالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ فَارِسَ ؎۲ - تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ایک زمانہ میں دنیا سے اُٹھ جاوے گا اور اسے ایک آدمی اہل فارس میں سے دوبارہ لاوے گا- پھر اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی سچائی ظاہر ہوگی- یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو فرمایا ہے اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِيْ وَ تَفْرِيْدِيْ ؎۳ - کہ تیرے ہی ذریعہ میری توحید و تفرید ثابت ہوئی- پھر ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو يَاشَمْسُ يَاقَمَرُ ؎۴ - کہا ہے یا شمس اس لئے فرمایا کہ تیرے آنے سے ہی خداتعالیٰ ظاہر ہوا- اور قمر اس لئے کہ یہ سب روشنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور اس کی ہے- اگر وہ نہ ہوتا تو آپ بھی نہ ہوتے- پس انبیاء کی آمد ایمان کو درست کرتی ہے اور خداتعالیٰ کو اور پہلے نبیوں کو دوبارہ منواتی ہے- اسی لئے اللہ تعالیٰ نے منکرین نبوت کا نام تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ رکھا ہے- وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا- حالانکہ تم میں بارہا ایسے آدمی آتے رہے کہ تم مُردہ تھے اور انہوں نے تم کو زندہ کیا- یہ ایک عجیب بات ہے کہ دنیا میں جب کبھی بھی کوئی نبی آیا- تو اس کی وفات کے بعد لوگوں نے الہام کا انکار کردیا کہ اب الہام کا دروازہ بند ہوگیا ہے اور اب کسی پر الہام نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی نبی اب آسکتا ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کے بعد بھی ایسا ہی ہوا کہ یہود نے پھر الہام سے انکار کردیا- اور الہام کے دروازہ کو مسدود ہی سمجھا- اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ایسا ہی نبی کریم ﷺ کے وقت

کے بعد ہوا- نبیوں کی وفات کے بعد جب الہام کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے تو پھر لوگ الہام سے ہی منکر ہوجاتے ہیں اور لوگوں کے دلوں سے تقویٰ اور طہارت اُٹھ جاتے ہیں-

ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ- یہاں دو زمانوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (ا) عرب مُردہ تھے تو ان کی طرف نبی کریم ﷺ آئے اور وہ آپ کے وقت میں زندہ ہوگئے پھر ایک ایسا دن آیا کہ تم پہلوں کی طرح سچائی سے دور تھے اور مُردہ تھے تو تمہاری طرف بھی ایک نبی آیا- ایسا ہی خدا تعالیٰ تم کو جبکہ تم بے دین ہوجاؤ گے تو دوبارہ تمہیں زندہ کرے گا- اب فرماتا ہے هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا- دنیا کی تمام چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں- لکم کے معنی ہیں- تمہارے فائدہ کیلئے' تاکہ تم کو اس سے نفع پہنچے- اس میں ایک حجت قائم کی ہے - ایک انسان اگر کسی عبث کام کیلئے محنت کرے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ انسان دانا نہیں بلکہ نادان ہوا کرتا ہے- تو فرمایا کہ ہم نے تمام چیزیں تمہارے نفع رسانی کیلئے پیدا کی ہیں- کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں ہے جو انسان کیلئے نفع رساں نہ ہو- زمین میں ہر ایک قسم کے فوائد ہیں- پانی' نباتات' جمادات وغیرہ تمام اشیاء ان میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو فائدہ نہ دینے والی ہو- جتنے جتنے معلومات بڑھ رہے ہیں اتنا ہی معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی چیز ناکارہ نہیں ہے- کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی لے لو وہ بھی ناکارہ نہ ہوگی- درختوں کی چھال ہی لے لو اس سے ہی کتنے فوائد حاصل ہوتے ہیں- منجملہ ان کے اس سے کاغذ بنتے ہیں اور اس کے کپڑے بھی بنتے ہیں- شہروں کے لوگ جانتے ہیں کہ پاخانہ سے کتنے فائدے ہوتے ہیں کسان اس سے کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں پہلے تو لوگ اسے یونہی باہر پھینک دیا کرتے تھے- تو جتنا جتنا علوم ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی ہر ایک چیز کے فوائد معلوم ہوتے جارہے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اتنے سامان جو پیدا کئے گئے ہیں کیا یہ سب عبث ہی بنائے ہیں-

اگر اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہ ہونی تھی اور اس کا نتیجہ صرف یہی تھا کہ اس دنیا میں انسان چند سالوں تک رہے پھر مرکر خاک ہوجاوے اور پھر اسے دوبارہ اپنی جزاء سزا کیلئے نہ اٹھنا ہو اور پھر اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہ ہو تو پھر یہ سامان عبث جاتا- پھر فرمایا کہ صرف زمین ہی نہیں بنائی بلکہ سات بلندیاں بھی ہیں- ایک تو ہر ایک ستارے کا علیحدہ علیحدہ مرکز ایک الگ سماء بن جاتا ہے- سورج- چاند- ستارے وغیرہ- صوفیاء نے تو پھر اس کی اَور ہی تعریف کی ہے وہ وَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کچھ اور ہی بتلاتے ہیں- وہ کہتے ہیں- ایک

سماء وہ جو ہمارے اوپر ہے- ایک وہ جو خواب میں دکھائی دیتا ہے- ایک ملاء اعلیٰ کا- ایک حشر کا-ایک قبر کا- پھر دوزخ اور جنت کا یہ الگ الگ سماء ہیں- پھر سات آسمان سات بلندیاں- ہر روحانی ترقی کے بھی سات درجے ہیں اور جسمانی ترقی کے بھی سات درجے ہیں- سورۃ مؤمنون میں اس کا ذکر ہے- براہین احمدیہ حصہ پنجم میں حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو خوب کھول کر لکھا ہے اور ایسی تفسیر کی ہے کہ اُسے پڑھ کر انسان کا ایمان تازہ ہوجاتا ہے-

وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ- اسے ہر ایک چیز کا علم ہے- وہ عالم ہے یہ جو کچھ اس نے بنایا ہے عبث نہیں بنایا- وہ تو عالم ہے اور علماء تو لغو اور عبث کاموں سے پرہیز کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہوکر ایسے کام کرے گا- اگلے رکوع میں مثالیں دے کر سمجھایا ہے- ایک صحابی تھا وہ لڑائی میں بڑے زور سے جنگ کر رہا تھا اور دشمن کا بڑی دلیری سے مقابلہ کررہا تھا- اس کی نسبت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ جہنمی ہے تو بعض صحابہ کو بہت برا معلوم ہوا کہ ایک بیچارہ اتنی سختی سے دشمن کا مقابلہ کر رہا ہے مگر آپؐ اسے جہنمی کہہ رہے ہیں- پھر بعض نے آپؐ کو عرض کیا تو آپ نے فرمایا- نہیں یہ ضرور جہنمی ہے- تو اس خیال سے کہ کسی کے ایمان میں خلل نہ آجاوے ایک صحابی اس کے ساتھ لگ گیا- اور جدھر وہ جاتا وہ بھی اس کے ساتھ ہی ہوتا- آخرکار اسے ایک زخم لگا جس کے درد کو وہ برداشت نہ کرسکا- تو اس نے تلوار کو زمین پر ٹیک کر اور اس کے اوپر اپنا پیٹ رکھ کر دبایا اور خودکشی کرلی ۵ - تب وہ صحابی واپس آیا اور اس نے نبی کریم ﷺ کے حضور آکر عرض کیا اور بتلایا کہ اس نے اس طرح خودکشی کرلی ہے-

ایسا ہی بعض لوگ بظاہر تو نیک معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل وہ شقی ہوتے ہیں اور ان کا انجام بُرا ہوتا ہے- اور بعض لوگ بظاہر بُرے معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ آخر کار نیک ہوتے ہیں- اس لئے انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہے اور کبھی سستی سے کام نہ لے- جس کو خداتعالیٰ صداقت دیتا ہے وہ گمراہ نہیں ہوتا- بعض بڑے بڑے گندوں میں رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کو بچالیتا ہے اور بعض بڑی بڑی عمدہ صحبتوں میں رہ کر بھی تباہ ہوجاتے ہیں- اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ کے حضور گرے رہنا چاہیئے- ہمارا مرنا اور جینا اللہ کیلئے ہو اور ہمارا سب کچھ اسی کیلئے ہو-

(الفضل ۱۵- اپریل ۱۹۱۴ء)

۱؎ البقرة:۲۹٬۳۰

۲؎ بخاری کتاب التفسیر- تفسیر سورة الجمعة باب قولهٗ وَاٰخرین منهم لما یلحقوا بهم

۳؎ تذکرہ صفحہ ٦٦- ایڈیشن چہارم

۴؎ تذکرہ صفحہ ۵۸۸- ایڈیشن چہارم

۵؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوة خیبر